© rasailojaraid.com

شاہد حسین رزاقی

اقبال کا نظریۂ مقصودِ ہنر

ادب اور فن کی تاریخ میں فن برائے فن اور فن برائے زندگی کی بحث کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ ہنروروں کا ایک طبقہ آرٹ کو حسن، نازک خیالی اور لطیف احساسات کے محض اظہار کا ذریعہ تصور کرتا ہے اور دوسرا آرٹ کی عظیم قوتوں سے مقاصدِ حیات کی تکمیل کا کام لیتا ہے۔ پہلی شکل میں افادیت کا پہلو مفقود ہے لیکن دوسری شکل افادیت ہی کو فن کی اساس قرار دیتی اور فن کو زندگی کا تابع بناتی ہے۔ مقصودِ ہنر کا یہ اختلاف انسانوں کے افکار و رجحانات میں اختلاف کا لازمی نتیجہ ہے اور یہ بحث دراصل اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ افکارِ انسانی کی تاریخ۔ چنانچہ یونان کے دورِ عروج میں جب علوم وفنون کو فروغ حاصل ہوا تو فن کا یہ قدیم ترین نظریہ قائم ہو گیا کہ فن مظاہرِ فطرت کی نقالی یا عکاسی ہے لیکن افلاطون نے اس نظریہ کی اس بنا پر مخالفت کی کہ وہ خود مظاہرِ فطرت کو ناقص سمجھتا ہے جو حقیقت کا محض عکس ہیں، اور اس کا یہ استدلال ہے کہ جب ہنر کا مقصد ناقص مظاہرات کی نقالی ہو وہ خود کبھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد یونان کے عظیم ترین مفکر ارسطو نے ہنر کا جو نظریہ پیش کیا وہ زمانہ کی اس قدر ترقی کے بعد آج بھی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ارسطو کا یہ نظریہ ہے کہ آرٹ کے لیے تخلیقی ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ وہ تخلیق کو ایک الٰہی وصف قرار دیتا ہے اور اسی آرٹ کی عظمت کا قائل ہے جو تخلیقی ہو۔

افلاطون اور ارسطو کے یہ نظریات گویا مقصودِ ہنر کی وضاحت کا آغاز ہیں اور اس کے بعد ہر دور میں فن کی ترقی و وسعت کے ساتھ ساتھ اس کے مقصد اور نوعیت میں اختلاف بھی ہونے لگا۔ حقیقت پسند ہنروروں نے فن کی افادیت کو پیشِ نظر رکھا اور ان کا نظریہ عموماً یہی رہا کہ ہنر کا کوئی مفید مقصد ہونا چاہیے۔ لیکن انیسویں صدی کے آغاز میں فن برائے فن کے تصور کو مغربی ممالک میں ایک تحریک کی حیثیت سے بہت فروغ ہوا اور فلابیر، گانیر، آسکر وائلڈ، پیٹسن اور ایلین پو جیسے باکمال ادیبوں اور شاعروں نے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظریہ کو مقبولِ عام بنا دینے میں نمایاں حصہ لیا - یہ ہنرور رومانیت سے متاثر تھے - ان کا مقصود ہنر محض حسن تھا اور وہ حسن ہی کے مظاہرات کو آرٹ قرار دیتے تھے - ان کے نزدیک فن کا با مقصد ہونا ضروری نہیں بلکہ فن کو مقاصد کی پابندیوں سے آزاد رکھنا اور محض فن کی خاطر فن کے مظاہرات کی تخلیق کرنا ہی ہنر کا مقصود اصلی ہے - اپنے اس تصور کو ان لوگوں نے ایسے دل نشین انداز میں پیش کیا کہ ہنروروں اور ہنر کے قدردانوں کی کثیر تعداد اس سے متاثر ہوئی اور نظریۂ فن کی بحث نے غیر معمولی اہمیت اختیار کر لی -

اقبالؒ نے مشرق و مغرب کے علوم و ادبیات کا بہت غائر مطالعہ کیا تھا اور وہ یہ جانتے تھے کہ جن شاعروں نے محض حسن اور حسنِ بیان کو مقصد شاعری قرار دیا ان کا کلام حقیقت کی روح اور زندگی کی خوشبو سے بالکل معرا، کاغذی پھولوں کے رنگا رنگ گلدستوں کی طرح ہے جو نہ تو زندگی کے حقائق سے آگاہ کر سکتا ہے اور نہ مقاصدِ حیات کے حصول میں کوئی مدد دے سکتا ہے - یہ شاعری درحقیقت اقبال کے اس تصورِ شاعری کے برعکس تھی جسے وہ معرکۂ حیات سر کرنے کا ذریعہ بنانا چاہتے تھے - شاعری کے متعلق اقبال کا نظریہ اور ان کا مقصودِ ہنر بہت غور و فکر کا نتیجہ ہے - وہ زندگی کے شاعر ہیں اور ہنر کو مقاصدِ حیات کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتے ہیں - ان کی نظر میں زندگی اصل مقصد ہے جو ہر شے پر حاوی ہے اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ " آرٹ، چاہیے وہ ادب ہو یا مصوری، اور موسیقی ہو یا معماری، زندگی کا معاون اور خدمت گار ہے - اور اسی بنا پر آرٹ ایجاد ہے نہ کہ تفریح " چنانچہ " ہنروروں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مظاہراتِ ہنر میں زندگی کے مقاصد کو پوری طرح ملحوظ رکھیں اور زندگی کی عظمت و بزرگی کے بجائے موت کو بڑھا کر نہ دکھائیں کیونکہ دلکش آرٹ جب موت کا نقشہ کھینچتا ہے اور اس کو بڑھا کر دکھاتا ہے تو وہ سخت تباہ کن ہو جاتا ہے "

آرٹ زندگی کا معاون ہے اور زندگی اقبال کے نزدیک تارِ نفس کے برقرار رہنے ہی کا نام نہیں اور محض گردشِ شام و سحر سے اس کا شمار نہیں ہو سکتا - بلکہ زندگی ان مظاہرات سے بہت بلند ایک عظیم تر حقیقت اور تخلیقِ کائنات کا راز ہے اور زندگی کا سب سے بڑا مظہر انسان ہے جو خالقِ عالم کی قوتِ تخلیق کا بہترین نمونہ ہے - یہ وہ " مجبور " ہے جس نے فطرت کی بڑی بڑی سرکش قوتوں کو مسخر کر لیا اور اسی بندۂ مولا صفات کے ممکنات سے آگاہ کرنا اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بہتر بنانا، اس کے احترام کا درس دینا اور اس کی خودشناسی کو خداشناسی بنانا اقبال کا مقصودِ ہنر ہے - اقبال کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نزدیک یہی وہ خود شناس ہنرور ہے جس کی پردہ دری نے فطرت کے رازہائے سربستہ کو افشا کر دیا جس کی ہنرمندی نے قوائے فطری کو مسخر کر لیا، جس کی قوتِ تخلیق نے ظلمتِ شب کو چراغ سے دور کیا اور جس کے اعجاز نے سنگ کو آئینہ میں بدل دیا۔ اس کی فضیلت و برتری کا راز اس کی قوتِ تسخیر میں مضمر ہے اور اقبال اس ہنرمند کی ان قوتوں سے باخبر ہیں جو فطرت پر غالب آتی اور اس کو اسیرِ دام بنا کر فخر کرتی ہیں:

ریختہ ہنرہائے من بحر بہ یک نائے آب — تیشۂ من آورد از جگرِ خارہ شیر
زہرہ گرفتارِ من، ماہ پرستارِ من — عقلِ کلاں کارِ من، بہرِ جہاں دار و گیر
من بہ زمین در شدم، من بہ فلک بر شدم — بستۂ جادوئے من، ذرہ و ماہِ منیر

اقبال کے نزدیک ہنر کا مقصد زندگی کو خوشگوار بنانا، اس میں حسن و دلکشی پیدا کرنا، اس کی محرومیوں کو شادکامی سے، ناکامیوں کو کامیابی سے اور ظلمتوں کو روشنی سے بدل دینا ہے۔ اور اس کے لیے فطرت پر قابو پانے اور رکاوٹوں پر غالب آنے کا عزم و قوت درکار ہے۔ چنانچہ اقبال کا یہ نظریہ ہے کہ جو اہلِ ہنر نوعِ انسان کے لیے رحمت ثابت ہوتے ہیں، ان کا ربط اپنے ماحولِ حیات کے ساتھ با زمانہ بساز کے بجائے با زمانہ ستیز کا ہوتا ہے اور ایسا بلند مرتبت ہنرور الٰہی رنگ میں ڈوب جاتا اور اپنی روح میں زمان کی حقیقت و ابدیت کو محسوس کرتا ہے۔ لیکن جس ہنرور کی نگاہ میں انسانی قوتیں ضعیف تر دکھائی دیتی ہیں، وہ طبیعی ماحول ہی کو سرچشمۂ فیضان قرار دیتا ہے۔ وہ فن اور وہ ہنر جس کا مطمحِ نظر اخلاقِ الٰہی کو اپنے اندر جذب کرنا ہے، دراصل انسان کے اندر ایک غیر محدود طلب پیدا کر دیتا ہے اور اس کو عزت و شرف کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ اس ذوقِ ستیز کی تسکین کے لیے اقبال ہنرور کو فطرت کی غلامی سے آزاد ہونے اور فطرت کو حسین تر بنانے کی تلقین کرتے ہیں:

دریا متلاطم ہوں تری موجِ گہر سے — شرمندہ ہو فطرت ترے اعجازِ ہنر سے
خورشید کرے کسبِ ضیا تیرے شرر سے — ظاہر تری تقدیر ہو سیمائے قمر سے

اور جب ہنرور تسخیر کی لذت سے آشنا ہو جاتا ہے تو اس کو کسی منزل پر بھی قرار نہیں آتا۔ وہ خوب سے خوب تر کی طرف بڑھتا ہے اور ہر کامیابی ایک نئے مقصد کی طرف اشارہ کرتی ہے:

چہ کنم کہ فطرتِ من بہ مقام در نسازد — دلِ ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ز شررِ ستارہ جویم ، ز ستارہ آفتابے　　　سرِ منزلے نہ دارم ، کہ بمیرم از قرارے

فطرت کی تسخیر اور حسین تر زندگی کی تخلیق کا جذبہ ایسے ہنرمند میں ایک زندہ اور موثر قوت نہیں بن سکتا جو عزم و یقین سے محروم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی قوتیں ان مظاہراتِ ہنر کی تخلیق کرتی ہیں جو اعجازِ ہنر کہے جا سکیں۔ چنانچہ اقبال اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ

بے یقیں را لذتِ تحقیق نیست　　　بے یقیں را قوتِ تخلیق نیست
بے یقیں را رعشہ ہا اندر دل است　　　نقشِ نو آوردن او را مشکل است
زندگی بے قوتِ اعجاز نیست　　　ہر کسے دانندۂ ایں راز نیست

یہ عزم و یقین پیدا کرنے کے لیے اقبال ہنرور سے متقاضی ہیں کہ وہ اپنی خودی یعنی اپنے ممکنات سے آگاہ ہو۔ ہنرور کی بیدار خودی اس کے کمالِ ہنر کی اساس ہے۔ چنانچہ اقبال کے نزدیک وہ ہنر بے حقیقت ہے جس میں تعمیرِ خودی کا جوہر مضمر نہیں۔ اور زندگی کو نکھارنے والا ہنر وہی ہے جو خودی کو بیدار کرے اور اس کا محافظ بنے :

سرود و شعر و سیاست، کتاب و دین و ہنر　　　گہر ہیں ان کی گرہ میں تمام یک دانہ
اگر خودی کی حفاظت کریں تو عینِ حیات　　　نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ

اور تحفظِ خودی پر اس قدر زور دینے کی وجہ یہ ہے کہ اقبال اس حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں کہ

ہوئی ہے زیرِ فلک امتوں کی رسوائی　　　خودی سے جب ادب و دیں ہوئے ہیں بیگانہ

چنانچہ اقبال یہ چاہتے ہیں کہ ہنرور افکار و تخیل کی گدائی کے بجائے اپنی خودی تک رسائی حاصل کرے اور اپنے اعجازِ ہنر سے فطرت تک کو حیران کر دے۔ اپنے ممکنات سے آگاہ ہنرور کے مظاہراتِ فن اس کی خودی کا حضور ہیں، جن کو اس کا سوزِ دروں اور جذبِ عشق لازوال بنا دیتا ہے۔ اگرچہ گردشِ زمانہ حادثات کی نقش گر ہے اور مظاہراتِ ہنر کی آخری منزل فنا ہی ہوا کرتی ہے لیکن وہ نقش جسے رازِ حیات کے محرم اور روشن ضمیر نقش گر کی بیدار خودی ابھارتی ہے اور اس کا جذبِ عشق منزلِ تکمیل تک پہنچاتا ہے، ثبات و استحکام حاصل کر لیتا ہے۔ اور یہ ثبات و دوام اس خود شناسی، خلوص، ایمان اور سوزِ جگر کا نتیجہ ہوتے ہیں جو پاک دل و روشن ضمیر ہنرمند کے مظاہراتِ ہنر کو فطرت کی گرفت سے آزاد کر دیتے ہیں۔ ثباتِ ہنر کے اس تصور کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہنر — کارِ جہاں بے ثبات، کارِ جہاں بے ثبات
ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام — جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ — عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

عشق صیقل می زند فرہنگ را — جوہر آئینہ بخشد سنگ را
اہلِ دل را سینۂ سینا دہد — با ہنرمنداں یدِ بیضا دہد

اقبال کے نظریۂ فن میں مقاصدِ حیات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے جو فن کی نوعیت، افادیت اور معیار کو جانچنے کی کسوٹی ہیں۔ یہ مقاصد جس قدر اعلیٰ ہوں گے فن کا معیار بھی اتنا ہی بلند ہوگا کیونکہ زندگی کی عظمت مقاصدِ حیات کی نوعیت پر منحصر ہے اور یہی مقاصد ہنر کی افادیت کو پرکھنے کا معیار بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اقبال یہ کہتے ہیں کہ ہنرور نہ صرف مقاصد کی اہمیت سے باخبر ہو بلکہ ان کا ایک اعلیٰ اور پاکیزہ تصور اس کا مطمحِ نظر بھی ہو:

اے ز رازِ زندگی بیگانہ خیز — از شرابِ مقصدے مستانہ خیز
مقصدے از آسماں بالاترے — دل ربائے، دلستانے، دلبرے
باطلِ دیرینہ را غارت گرے — فتنہ در جیبے، سراپا محشرے
مقصدے مثلِ سحر تابندۂ — ماسوا را آتشِ سوزندۂ

اعلیٰ مقاصد کے علاوہ تخلیق و ارتقائے ایجاد، ندرتِ فکر اور انقلاب آفرینی کو بھی اقبال تکمیلِ ہنر کے لیے لازمی تصور کرتے ہیں کیونکہ یہی اوصاف ہنر کے ان اعلیٰ مظاہر کی تخلیق کر سکتے ہیں جو اعجازِ فن کہے جائیں، جن کو گردشِ زمانہ بھی نہ مٹا سکے، جو فکر و عمل کا کمال ہوں اور جن کے جاودانی نقش اک جہانِ نو کا خاکہ ہوں۔ اقبال کی نظر میں ماہ و انجم کے حیرت کدہ سے زیادہ عجیب اور پائدار وہ ہنر ہے:

جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک — اور پیدا ہو ایازی سے مقامِ محمود

اور صحیح معنوں میں ہنر کہلانے کا مستحق وہی ہنر ہے جو:

کہنہ پیکر میں نئی روح کو آباد کرے — یا کہن روح کو تقلید سے آزاد کرے

نئی روح کو بیدار کرنے کی قوت جس ہنرور میں موجود ہوگی اس کے مظاہراتِ ہنر، مظاہرِ فطرت سے بھی زیادہ دلکش ہوں گے اور وہ قلب و نظر کی ایک نئی دنیا [illegible] کرے گا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آں ہنرمندے کہ بر فطرت فزود — رازِ خود را بر نگاہِ ما کشود
آفریند کائناتِ دیگرے — قلب را بخشد حیاتِ دیگرے

جس طرح بعض عناصر ہنر کو فروغ دینے کا باعث بنتے ہیں، اسی طرح بعض اس کو پستی اور تباہ کاری کی طرف لے جاتے ہیں۔ غلامانہ ذہنیت اور نقالی کو اقبال فن کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور کرتے ہیں۔ غلامی زندگی کے سرچشموں کو خشک کر دیتی ہے اور منازلِ حیات کی تاریکیوں میں اس کو امید کی کوئی کرن تک نظر نہیں آتی۔ غلام فنکار کا ہنر زندگی کی عظمتوں سے نا آشنا ہوتا ہے اور اس کا بیمار تخیل انسان کو ناتوان و زار اور زندگی سے بیزار بنا دیتا ہے۔ اس کا قلم موت کی نقش گری کرتا ہے۔ اس کا نغمہ سوزِ حیات سے خالی اور کسی بیوہ کی فریاد کی مانند ہوتا ہے۔ اس کا دل عزم و یقین سے، اس کا ذہن لذتِ تحقیق سے اور اس کا ہنر قوتِ تخلیق سے محروم ہوتا ہے اور اس کم نظر اور بے حضور فنکار کا ہنر ذوقِ ستیز اور استحکام خودی کی منزل سے بہت دور رہتا ہے:

مرگ ہا اندر فنونِ بندگی — من چہ گویم از فسونِ بندگی
نغمۂ او خالی از نارِ حیات — ہمچو سیل افتد بہ دیوارِ حیات
از نئے او آشکارا رازِ او — مرگِ یک شہر است اندر سازِ او
ناتوان و زار می سازد ترا — از جہاں بیزار می سازد ترا
کیشِ او تقلید و کارش آذری ست — ندرت اندر مذہبِ او کافری ست

ایسے انحطاط پسند و عافیت کوش ہنرمند افلاطونی اور ویدانتی فلسفہ کی طرف قدرتاً مائل ہوتے ہیں اور ان کے مظاہراتِ فن میں ان خواب آور اور ہلاکت آفریں تصورات کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ ہندوستان کے بعض مشہور ترین ہنرمندوں کو ویدانتی فلسفہ نے بری طرح متاثر کیا اور ان کا فن قلب و نظر اور فکر و عمل کا مدفن بن گیا۔ افسانہ و افسونِ موت کی صورت گری کرنے والے فن کاروں کو، جن کے تخیل کی تاریکیاں قوموں کے لیے سامانِ ہلاکت ہیں اقبال بے حضور و بے نصیب سمجھتے اور ان کے فن کی تشریح یوں کرتے ہیں:

موت کی نقش گری ان کے صنم خانوں میں — زندگی سے ہنر ان برہمنوں کا بیزار
چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند — کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار

از خودی دور است و مہجور است و بس — بہرِ ذوقِ جمہور است و بس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر کجا افسانہ و افسونِ موت   می چکد از خامہ ہا مضمونِ موت

زہر اندر ساغرِ جم می دہد   سوزِ دل از دل برد غم می دہد

غلامانہ ذہنیت کے تخلیق کیے ہوئے فن کی پستیوں اور بے مائیگی کو واضح کرنے کے لیے اقبال آزاد اور غلام قوموں کے مظاہراتِ ہنر کا فرق بیان کرتے اور دورِ عروج میں مسلمانوں کے فنِ تعمیر کی عظمت و شوکت، جمال و جلال اور پختگی و استحکام پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے یہ مظاہراتِ ہنر ان کی بیدار خودی، قوتِ ایمانی، اولوالعزمی، عظمت و سطوت اور بلند نظری کا ثبوت اور ان اوصاف و کردار کے آئینہ دار ہیں جن کی بدولت وہ صدیوں تک تہذیب و تمدن، تخلیق و ایجاد، جہد و عمل اور فتح و نصرت کے پرچم لہراتے رہے ہے۔ مسلم فنِ تعمیر میں جس چیز نے اقبال کو بہت زیادہ متاثر کیا وہ ان تعمیروں کا جلال و جمال اور ان کو بنانے والوں کا جذبۂ ایمانی اور صداقت و پاک ضمیری ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ

از ضمیرِ او خبر می آورد   نقش سوئے نقش گر می آورد

اور یہی سبب ہے کہ مسجدِ قرطبہ کو دیکھنے کے بعد اقبال کے تأثرات نے ایک شاہکار نظم کی شکل اختیار کر لی اور وہ بے تاب ہو کر پکار اُٹھے :

تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں   کعبۂ اربابِ فن سطوتِ دینِ مبیں

قلبِ مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں   ہے تہِ گردوں اگر حسن میں تیری نظیر

لیکن اس کے برعکس مسجدِ پیرس کا حسنِ تعمیر ان کو متأثر نہ کر سکا اور حق سے بیگانہ حرمِ مغربی کو دیکھنے کے بعد ان کا ردِ عمل یہ تھا کہ :

تنِ حرم میں چھپا دی ہے روحِ بت خانہ   حرم نہیں ہے فرنگی کرشمہ سازوں نے

اقبال اس ہنر کو بھی ناقص تصور کرتے ہیں جس میں جلال و جمال دونوں خوبیاں نہ ہوں۔ ذوقِ نظر حسن کی تخلیق کرتا ہے اور ہنرمند کا ایمان و صداقت وہ شے ہے جو مظاہراتِ ہنر میں ایک تقدس و جلال پیدا کر دیتی ہے، جس کا دل پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ اقبال ہنرور کو یہ بتلاتے ہیں کہ ہنر کا مقصد محض تسکینِ ذوق یا نمائشِ حسن نہیں، بلکہ پاکیزہ مقاصد کا حصول ہے اور یہ پاکیزگی پاکیزہ جذبات ہی پیدا کر سکتے ہیں۔ حسنِ ہنر کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ حسن و دلکشی کے ساتھ ساتھ ہنر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مظاہرات میں قوت و شوکت ہونا بھی ضروری ہے۔ محض جمال ہنر کا کمال نہیں اور ہنر ایک معجزہ کا مرتبہ اسی وقت حاصل کر سکتا ہے جب اس میں جمال کے ساتھ جلال بھی ہو، کیونکہ

دلبری بے قاہری جادوگری است دلبری با قاہری پیغمبری است

ہنر کی جادوگری کو قوتِ پیغمبری میں تبدیل کر دینے والی شے جلال ہے اور یہی شے ہنر کی دلکشی کو تاثیر میں بدلتی اور اس میں شوکت و قوت پیدا کرتی ہے:

نہ ہو جلال تو حسن و جمال بے تاثیر نرا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتش ناک

آتشِ حیات سے محرومی مظاہراتِ فن کو بالکل بے جان بنا دیتی ہے اور اقبال اس ہنرمند کے قائل نہیں جس کا ہنر دلوں کو عزم و یقین اور زندگی کی مسرتوں سے معمور نہ کر دے۔ ان کے نزدیک نغمہ محض "نفس" کا نام نہیں بلکہ ایک جوش و انبساط پیدا کرنے والی قوت ہے:

نغمہ باید تندرو مانندِ سیل تا برد از دل غماں را خیل خیل

نغمہ می باید جنوں پروردۂ آتشے در خونِ دل حل کردۂ

چنانچہ اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جلال و جمال ہنر کے کمال کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ جس ہنر میں یہ دونوں خوبیاں نہ ہوں گی وہ ناقص رہے گا اور خود ہنرور کی ناکامی اور ناپختہ کاری کا ثبوت ہوگا۔ مظاہراتِ ہنر میں یہ دونوں اوصاف وہی ہنرمند پیدا کر سکتا ہے جس کی خودی بیدار ہو، جس میں زندگی کا جوش اور ولولہ ہو، جو صداقت و خلوص سے بہرہ مند ہو اور جس کا روشن ضمیر اعجازِ ہنر کے راز سے باخبر ہو۔ اس کے برعکس جو مظاہراتِ ہنر جلال و جمال سے محروم ہوتے ہیں وہ درحقیقت اپنے خالق کی افسردہ دلی، خام کاری اور مردہ ضمیری کے آئینہ دار ہیں۔ ایسے ہنرور کے مظاہراتِ فن مضرت رساں اور تباہ کن ہوتے ہیں:

وہ نغمہ سردیٔ خونِ غزل سرا کی دلیل کہ جس کو سن کے ترا چہرہ تابناک نہیں

نوا کو کرتا ہے موجِ نفس سے زہر آلود وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں

اقبال مظاہراتِ ہنر کو ہنرمند کی شخصیت سے بالکل بے تعلق شے نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ ہنر میں ہنرمند کے باطن کی جھلک دیکھتے ہیں۔ ان کا یہ نظریہ ہے کہ مظاہراتِ ہنر کی اصل ہنرور کا جذبِ دروں ہے۔ نالۂ نے میں سرورِ نے پیدا کرنے والی شے چوبِ نے نہیں بلکہ نے نواز کا دل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، جس کی مستی و قوت اور حیات افروزی ایک نئی روح پھونک دیتی ہے۔ چنانچہ لوازماتِ ہنر کی تکمیل کے لیے اقبال یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ فن کار دل کے رموز سے باخبر ہو، اور اس کے واردات کی جھلک مظاہراتِ فن میں موجود ہو۔ کیونکہ یہی ادراک فن کار کو اقوام کی حیات کے راز سے آگاہ کرتا ہے اور اس کے فن میں وہ تاثیر پیدا ہو جاتی ہے جو اسے مفید اور پائیدار بنا دیتی ہے۔ دل کی مستی و قوت سے اثر پذیر یہ ہنر اعجازِ فن کی تخلیق کرتا ہے اور یہی اعجاز پیدا کرنا اقبال کا حقیقی مقصد ہے:

مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے — یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا — اے قطرۂ نیساں وہ صدف کیا وہ گہر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں — جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

محض حسین الفاظ، دلکش خطوط اور آواز کے زیر و بم کے بجائے ضربِ کلیمی کا اثر دکھانے والے اعجازِ فن کی تخلیق ہنر کا اصل مقصد ہے۔ یہی مقصد ہنر کو تفریح اور نمائشِ حسن کے بجائے الیسی تخلیق و ایجاد اور حیات افروز قوت بنا دیتا ہے جو قوموں کی قسمت بدل دینے کا معجزہ دکھلاتی ہے۔ اور مقصودِ ہنر کا یہی تصور اقبال کی شاعری کی بنیاد ہے، جس نے ان کے کلام میں زندگی کا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا اور امید، ہمت اور سعی و عمل کا پیغام دیا۔ شاعری کے اس مقصد کا تعین اقبال نے بہت وسیع مطالعے، تجربے اور شدید ذہنی کشمکش کے بعد کیا۔ ابتدا میں وہ بھی پہاڑوں اور دریاؤں کے گیت گاتے اور خاکِ وطن کے ہر ذرہ کو دیوتا تصور کرتے رہے اور شرفِ انسانیت اور تکمیل و نجاتِ انسانی کا وہ عالم گیر پیغام فکری اساس نہیں بنا تھا جو آگے چل کر ان کی شاعری کی امتیازی خصوصیت بن گیا اور بقول ڈاکٹر نکلسن اقبال کی شاعری نے ملحدانہ مادیت کے خلاف جہادِ اکبر کی شکل اختیار کر لی۔"

۱۹۳۱ء میں لندن کی بزمِ اقبال کے پیش کردہ سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے اقبال نے اس طویل کشمکش کا ذکر کیا تھا جو مشرقی اور مغربی ادبیات کے متعلق ان کے دل میں جاری تھی اور جس کا خاتمہ مثنوی اسرارِ خودی کے ذریعہ ان نظریات کے اظہار کی شکل میں ہوا۔ یہ مثنوی دراصل ان کی حقیقی شاعری کی ابتدا اور ان کے مقصودِ ہنر کی صورت گری ہے۔ شعر کی محض ظاہری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلفریبی اور دلکشی ان کا مقصدِ شاعری نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے "اسرارِ خودی" لکھنے کے مقاصد میں یہ صراحت کردی کہ:

شاعری زیں مثنوی مقصود نیست بت پرستی، بت گری مقصود نیست

اور اپنے حقیقی مقصدِ شاعری کا اظہار بھی یوں کر دیا:

نغمہ کجا و من کجا، سازِ سخن بہانہ ایست سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

اس طرح اقبال کی شاعری ایک پیمبرانہ مقصد کی حامل بن گئی۔ وہ شاعری کو جزو پیغمبری سمجھتے اور اس سے گمراہ قوموں کو راہِ راست پر لانے، گرے ہوؤں کو اٹھانے اور سوتوں کو جگانے کا کام لیتے ہیں۔ وہ شاعر کے سینہ میں ایسے نفس کے متلاشی ہیں جو عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا دے۔ وہ شعر کے پردے میں ایسا الہامی پیغام سناتے ہیں جو مسلمان کی خاک میں پنہاں آتشِ خفتہ کو بیدار کر دے، جو محکوم و مظلوم قوموں میں اپنے ممکنات کا احساس پیدا کرے، جو دنیا کو ہوسِ ملک گیری اور گمراہ تصورات کی تباہ کاری سے نجات دے، جو انسان کی تمام جد و جہد کو احترامِ انسانیت کے درس پر مرتکز کر دے اور انسان کو انسان کی غلامی سے چھڑا کر خدا پرستی کی راہ پر گامزن کرے۔ اقبال کوئے دلبراں، دلِ زار اور غمِ یار سے نا آشنا ہیں اور رقیب و قاصد و درباں کے لیے ان کی شاعری کی لامحدود وسعتوں میں بھی کوئی خاص گنجائش نہیں۔ وہ رازِ حیات کے محرم اور جبریلِ امیں کے ہم دم اور ہم داستان ہیں۔ اس لیے گل و بلبل اور زلف و سنبل کے اسرار بیان کرنے کے بجائے انھوں نے اسرارِ خودی کو فاش کیا اور شاعری کا یہ عظیم تصور ان کے پیشِ نظر رہا:

وہ شعر کہ پیغامِ حیاتِ ابدی ہے یا نغمۂ جبریل ہے یا بانگِ سرافیل

فنونِ لطیفہ کے اسی تصور اور شاعری کے اسی مقصد کے تحت اقبال نے ایسی شاعری کی شدید مخالفت کی ہے جو محض لوازماتِ فن شاعری کا مظاہرہ ہوتی اور زندگی کے حقائق سے دور رہتی ہے۔ شاعری کی زندگی سے اسی دوری اور انحطاط پسند عیش کوشی کو اقبال نے "عجمیت" کا نام دیا ہے اور اب یہ لفظ بھی اقبال کی دوسری اصطلاحات کی طرح ایک خاص مفہوم کا حامل بن گیا ہے۔ اسی عجمیت کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے اقبال حافظ جیسے سحر کار شاعروں کے کلام کو تکمیلِ مقاصدِ حیات کے لیے مضرت رساں تصور کرتے ہیں اور رومی کے افکار کو مشعلِ ہدایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھتے ہیں۔

اپنے اس نظریہ کو اقبال نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ ۱۹۳۳ء میں کابل کی انجمن ادبی سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ شاعر ایک قوم کی زندگی کی بنیاد کو آباد یا برباد کر سکتا ہے، کیونکہ ایک قوم کی زندگی جن چیزوں پر منحصر ہوتی ہے وہ محض شکل وصورت نہیں بلکہ وہ تخیل ہے جس کو شاعر قوم کے سامنے پیش کرتا ہے اور وہ اعلیٰ جذبات ہیں جن کو وہ اپنی قوم میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اگر تخیل کو نظر انداز کر کے محض شکل وصورت کو ہی پیشِ نظر رکھا گیا تو شعر کا کمال بعض اوقات لوگوں پر برا اثر ڈالتا ہے۔ عجمی شاعری طربناک و دل آویز تو ہے لیکن یہ اعلیٰ جذبات واحساسات کو بیدار کرنے کے بجائے بے عملی، خود فراموشی اور عیش کوشی کی طرف مائل کرتی ہے۔ اور ایسے وقت میں جب کوئی ملک زندگی کے نئے میدان میں داخل ہو رہا ہو، اور کوئی قوم کشمکشِ حیات کی لذت سے نا آشنا اور اپنی صلاحیتوں اور ممکنات سے بے خبر ہونے کے باعث زوال پذیر ہو چکی ہو، اس کے حق میں یہ افسردگی پیدا کرنے والی شاعری سمِ قاتل ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے اقبال "عجمی" شاعری کے مخالف ہیں اور مشرق کے محکوم ممالک اور زوال پذیر اقوام کے شاعروں کو اس سے محترز رہنے اور جسدِ ملت میں نئی روح پھونکنے کی تلقین کرتے ہیں:

مشرق کے نیستاں میں ہے محتاجِ نفس نَے ۔۔۔ شاعر ترے سینے میں نفس ہے کہ نہیں ہے
تاثیر غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم ۔۔۔ اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی لَے
شیشے کی صراحی ہو کہ مٹی کا سبو ہو ۔۔۔ تیزی میں ہو شمشیر کی مانند تری مے

زوال پذیر قوموں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ سخت کوشی اور اولوالعزمی کا درس دینے والی شاعری کا اثر تو بہت دیر سے قبول کرتی ہیں، لیکن ایسی شاعری سے جلد متأثر ہو جاتی ہیں جو بے عملی اور دوں ہمتی کی جانب مائل کرنے والی ہو اور ان قوموں کا یہ رجحان مزید تباہیوں کا باعث بن جاتا ہے۔ اقبال یہ جانتے ہیں کہ افسردگی اور مایوسی پیدا کرنے والی شاعری ایسی قوموں پر کس قدر برا اثر ڈالتی ہے۔ اس لیے وہ ایسی شاعری کے بجائے وہ اعجازِ فن پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں جو ایک نئی زندگی کا پیغام ہو:

ہے شعرِ عجم گرچہ طربناک و دل آویز ۔۔۔ اس شعر سے ہوتی نہیں شمشیرِ خودی تیز
افسردہ اگر اس کی نوا سے ہو گلستاں ۔۔۔ بہتر ہے کہ خاموش رہے مرغِ سحر خیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ ضرب اگر کوہ شکن بھی ہے تو کیا ہے　　جس سے متزلزل نہ ہوئی دولتِ پرویز

اقبال عصرِ نو کے شاعر سے ضربِ کلیمی کا بڑی شدت سے مطالبہ کرتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ مغربی اقوام کی آدم دری اور مشرق کی غلامی کے تباہ کن اثرات سے باخبر تھے۔ اقوام مشرق کی نجات کے لیے غلامی کی زنجیروں کو توڑ دینا اقبال کا ایک اہم مقصدِ شاعری تھا۔ چنانچہ وہ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے شاعر سے بھی زورِ دست و ضربتِ کاری کے طلب گار ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ اس حقیقت سے بھی باخبر کر دیتے ہیں کہ یہ کام ایسے شاعر کے بس کا نہیں جس کی روح غلام ہو، عزائم پست ہوں، تخیل تاریک ہو، احساسات افسردہ ہوں، ضمیر خوابیدہ اور دل جہد و عمل اور سوز و گداز سے ناآشنا اور نظر زندگی کے حقائق سے بیگانہ ہو۔ کیونکہ جو شاعر اپنی خودی سے بیگانہ ہوگا اس کی روح غلامی سے مضمحل ہوگی اور لذتِ پیکار و آتشِ حیات سے محروم شاعر کا تخیل یاس و حرمان کی ایک دل خراش داستان بن جائے گا۔ خودی کے ان منکروں، موت کے نقش گروں، اور خمستان الم کے بادہ خواروں کے بجائے اقبال اس جنوں پرور شاعر کو قوم کی قسمت کا ستارہ سمجھتے ہیں، جس کا دل تجلی زارِ حسن ہو، جس کی نگاہ خوب کو خوب تر بنا دے، جس کا نغمہ سیل کی طرح تند رو ہو، جس کی نوا جنوں پروردہ اور آتشِ دل میں حل کی ہوئی آگ کی مانند ہو، جس کی ضربِ کاری ظلم و استبداد کی بنیادیں ہلا دے، جس کا پیام امید یا یوسی و غم کا ہر نقش مٹا دے، جس کی بیدار خودی یقین و عمل کا ایک نیا جہان پیدا کرے۔ جس کا سوزِ جگر مظاہراتِ ہنر میں ثباتِ دوام کا رنگ بھرے، جس کی نے نوازی جسد ملت میں ایک نئی روح پھونک دے اور جس کا پیام انقلاب حیاتِ امم کے اس راز سے باخبر کر دے:

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا　　کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال　　یہ امتیں ہیں جہاں میں برہنہ شمشیریں

© rasailojaraid:com